Open Access
Al-Marjān Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

Revival and Renewal of Islamic Political Thought in the Indian Subcontinent: A Philosophical and Movement-Based Analysis from Shah Waliullah to Dr. Israr Ahmad

برصغیر میں اسلامی سیاسی فکر کی تجدید و احیاء: شاہ ولی اللہؒ سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ تک ایک فکری و تحریکی جائزہ

Authors Details

1. Dr. Syed Zakir Shah
Assistant Professor, Government National College No. 1, Karachi, Pakistan.
syed.zakirshah.phd@gmail.com

2. Dr. Syed Asim Ali
Assistant Professor, Government Islamia Arts & Commerce College No. 1, Karachi, Pakistan.

Citation

Shah, Syed Zakir, and Dr. Syed Asim Ali." Revival and Renewal of Islamic Political Thought in the Indian Subcontinent: A Philosophical and Movement-Based Analysis from Shah Waliullah to Dr. Israr Ahmad." *Al-Marjān Research Journal*, 2, no.3, Oct-Dec (2024): 571– 591.

Submission Timeline

Received: Oct 04, 2024
Revised: Oct 23, 2024
Accepted: Nov 12, 2024
Published Online: Dec 01, 2024

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

All Rights Reserved © 2023.

This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

INDEX COPERNICUS INTERNATIONAL | ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE | HJRS HEC Journal Recognition System

Revival and Renewal of Islamic Political Thought in the Indian Subcontinent: A Philosophical and Movement-Based Analysis from Shah Waliullah to Dr. Israr Ahmad

برصغیر میں اسلامی سیاسی فکر کی تجدید و احیاء: شاہ ولی اللہؒ سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ تک ایک فکری و تحریکی جائزہ

☆ڈاکٹر سید ذاکر شاہ ☆ڈاکٹر سید عاصم علی

Abstract

This research explores the development and renewal of Islamic political thought in the Indian subcontinent, tracing its intellectual evolution from Shah Waliullah (1703–1762) to Dr. Israr Ahmad (1932–2010). The study investigates how these eminent thinkers responded to historical crises, such as the decline of Muslim rule, colonial dominance, and Western ideological infiltration. Beginning with Shah Waliullah's reformist movement—focused on reviving Islamic governance, purifying Sufism, and resisting foreign influence—the study highlights a continuous thread of political awakening and religious revival. Subsequent thinkers like Allama Iqbal infused Islamic thought with philosophical vigor and poetic inspiration, while Abul Kalam Azad advocated for intellectual and social transformation through education and reform. Maulana Maududi's vision of Islam as a comprehensive system became foundational in reshaping modern Islamic political movements. Dr. Israr Ahmad, building upon Maududi's legacy, emphasized the Qur'anic revolution and the importance of ideological clarity, collective organization, and intellectual revival. This study critically analyzes their contributions, emphasizing shared themes such as the completeness of Islam, resistance to syncretism, the importance of Shūrā (consultation), and the rejection of tyranny and secularism. It concludes by asserting that these reformers collectively laid down an intellectual and spiritual roadmap for Islamic political resurgence in the modern era.

Keywords: Islamic political thought, Shah Waliullah, Iqbal, Maududi, Dr. Israr Ahmad, Indian subcontinent

تعارف موضوع

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی سیاسی فکر کی تجدید و احیاء ایک مسلسل فکری و تحریکی عمل ہے، جو مختلف ادوار میں مختلف شخصیات کے ذریعے سامنے آیا۔ اس تحریک کا آغاز مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی اصلاحی کاوشوں سے ہوا، جنہوں نے اکبری فتنہ، ہندوانہ اثرات، اور اسلامی عقائد میں

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ نیشنل کالج نمبر 1، کراچی، پاکستان۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج نمبر 1، کراچی، پاکستان۔

پیدا ہونے والی بدعات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس فکر کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک وسیع تر اور متوازن سیاسی و فکری تحریک میں بدل دیا، جو نہ صرف دین کی حفاظت بلکہ اسلامی نظام حکومت کے احیاء کی سمت متوجہ تھی۔ علامہ اقبالؒ نے اسی فکر کو فلسفہ و شاعری کے ذریعے نئی جہتیں دیں، جبکہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے قوم و ملت کی تعلیمی اور فکری رہنمائی کی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے احیاءِ خلافت کے لیے فکری اور جماعتی بنیادوں پر منظم جدوجہد کی، اور دین کو ایک مکمل نظام حیات کے طور پر پیش کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اسی تسلسل کو قرآنی انقلاب اور روحانی بیداری کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یہ مطالعہ ان تمام شخصیات کے افکار کو تجزیاتی انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ برصغیر میں اسلامی سیاسی شعور کے احیاء کی فکری بنیادوں کو واضح کیا جا سکے۔

تجزیاتی مطالعہ

تاریخ اسلام کا کوئی عہد تجدیدی کام سے خالی نہیں رہا لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بیسویں صدی عیسوی سے پہلے تجدیدی کام کی نوعیّت دینِ اسلام کی حفاظت و مدافعت کی تھی نہ کہ احیائے دین کی! کیونکہ اس وقت تک اسلام کی عمارت ابھی قائم تھی، یہی وجہ ہے کہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ سے قبل تک کے مجددینِ امت کی دینی جدّوجہد بالعموم علم وفکر کی دنیا تک ہی محدود رہی اور عقائد کی تصحیح و اصلاحِ اعمال کو ان کے اصل نصب العین کی حیثیت حاصل رہی لیکن شیخ احمد سرہندیؒ کے دور میں جس سیاسی بگاڑ کی ابتدا ہوئی، شاہ ولی اللہ کے دور تک دیگر خرابیوں کے علاوہ اس کا بھی عروج ہو چکا تھا اور ان کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں امتِ مسلمہ کی شان و شوکت کا بوسیدہ قصر بالآخر زمین بوس ہو گیا۔ اس لئے اب احیائی عمل فطری طور پر پوری شان کے ساتھ شروع ہوا جس میں سیاسی رہ نمائی اور جدوجہد ایک لازمے کے طور پر شامل تھی۔

برِّصغیر پاک وہند میں اسلامی احیائی فکر کے موئسِّس شیخ احمد سرہندیؒ المعروف بہ مجدد الف ثانی (1564ء-1624ء) ہیں۔ دورِ اکبری کے اندھیروں میں یہ سعادت آپ کے حصے میں آئی کہ بے شمار دیگر علماء و صلحاء کی موجودی میں آپ کی ذات واحد ہے جو شریعت محمدی ﷺ کے اتباع و پیروی میں پورے جوش کے ساتھ ایک طرف اکبری ارتداد کے خلاف سرگرم ہوئی، ہندو احیاء کی تحریک کا مقابلہ کیا اور دوسری طرف جس نے عوام الناس، علماء اور صوفیا کے بگاڑ پر توجہ دی، ان کے غیر اسلامی عقائد کی اصلاح کی اور صحیح دینی فکر پیش کی اور اس طرح مذہبی گمراہیوں اور سیاسی فتنوں کا مقابلہ کیا۔

سید مودودی کے مطابق

"شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام و نشان مٹا دیتا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دیے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمۂ صافی کو اُن آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اس میں سرایت کر گئی تھیں، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ ان تمام رسومِ جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلۂ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق و عقائد کی اصلاح کی کوشش کی۔ یہی کام ہے جس کی وجہ سے شیخ سرہندی کا شمار مجدّدینِ ملت میں ہوتا ہے"۔[1]

شیخ احمد سرہندیؒ کے کام کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (1703ء-1762ء) نے آگے بڑھایا۔ شیخ احمد سرہندی کا دور مسلمانوں کا دورِ عروج تھا جب کہ شاہ ولی اللہ کو دورِ زوال ملا۔ دونوں کی اصلاحی کاوشوں میں ان کے دور کا عکس جھلکتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی کی سعی کا ہدف امت پر بیرونی اثرات سے تحفظ کے لیے ڈھال فراہم کرنا اور درآمدہ خرابیوں کا سدباب تھا۔ آپ نے ہندومت کی دینِ اکبری کی صورت میں اسلام پر یلغار کا مقابلہ کیا جب کہ شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے دورِ زوال میں ان کی چارہ سازی کی اور ان کے اسباب زوال کی نشان دہی کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔ سیاسی زوال تو مقدر تھا تاہم اسلام اور مسلمانوں کا دفاع آپ کی کاوشوں کا حاصل ہے۔

[1] Maudūdī, Sayyid Abū al-A‘lā, *Tajdīd wa Iḥyā’-i Dīn* (Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 2010), 67.

اٹھارویں صدی کے اوائل کے حالات ہندستان کے مسلمانوں کے لئے انتہائی دگرگوں تھے۔ مسلمان سیاسی اور معاشی خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت روبہ زوال ہوچکی تھی۔ نااہل حکمرانوں اور بے وفا وزراء مغل حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہؒ منصۂ شہود پر آتے ہیں اور ایک مصلح اور مجدد کا کردار ادا کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا خاتمہ کرنے کی سعی کرتے ہیں، اسلامی علوم وفنون کی راہ عوام کے لئے آسان بنادیتے ہیں، مسلمانوں کا جمود ختم کردیتے ہیں اور اسلام کی حقیقی روح مسلمانوں میں پھونک دیتے ہیں۔[2]

شاہ ولی اللہؒ کی تحریک برگ وبار لاتی رہی لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ برصغیر پاک وہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اسلام کی انقلابی واحیائی فکر کی تجدیدی مساعی کو آگے بڑھانے اور اسے مسلم نوجوانوں کے دل کی دھڑکن بنادینے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (1877ء-1938ء) نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اسلامیانِ ہند کی جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل کے جذبۂ عمل کو ابھارا لیکن علامہ محمد اقبالؒ نے انقلابی و احیائی جدوجہد کے میدان میں قدم نہیں رکھا۔ علامہ محمد اقبالؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے کام میں یک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی زندگی کے آخری وقت تک ایک معلم و مصنف رہنے کے ساتھ ساتھ زبردست مدبّر و منتظم نظر آتے ہیں۔ ایک طرف ہندوستان کے مسلمانوں کی خستہ حال مغل حکومت کو زمیں بوس ہونے سے بچانے کے لئے افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو بلایا، جس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکستِ فاش سے دوچار کیا تو دوسری طرف ہندستان میں ایسی فضا پیدا کردی جہاں صحیح علم و عمل پروان چڑھا۔ کتاب و سنت سے وابستگی اور اس کا صحیح فہم عام ہوا۔ ان کی تعلیمات کا ہی فیض تھا کہ خود ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل کی معاونت اور سید احمد بریلویؒ کی امارت میں انگریز اور سکھوں کے استبداد کے خلاف تحریکِ مجاہدین جیسی عظیم تحریک برپا ہوئی۔ دوسری جانب یہ ان ہی کی تجدیدِ فکر اسلامی تھی، جس کی بدولت مولانا ابولکلام آزاد نے 'حکومت الٰہیہ' کا نعرہ بلند کیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حزب اللہ قائم کی۔ بعد ازاں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس مقصد کو پانے کے لئے جماعتِ اسلامی بنائی۔

شاہ ولی اللہ ہی کی مانند علامہ اقبال نے بھی ایک جانب اسلامیانِ ہندوستان کی فکری رہ نمائی کی۔ ان کے جسدِ ملّی کو لاحق امراضِ دیرینہ کی نشان دہی کی اور اپنی شاعری کے ذریعے انہیں قعرِ مذلت سے نکالنے کی سعی کی اور دوسری طرف قومی جدوجہد کی تحریک کی قیادت کے لئے قائد اعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے آنے پر آمادہ کیا۔[3]

بیسویں صدی میں برّصغیر کی مسلم سیاسی فکر کو آگے بڑھانے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ (1888ء-1958ء) کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت کثیر الجہات اور متنوع ہے۔ وہ بلند پایہ عالمِ دین ومفسرِ قرآن، منفرد ادیب، زبردست خطیب، بے باک صحافی، عبقری مفکر اور ممتاز سیاست دان تھے۔ سر سید احمد خان کی سیاسی حکمتِ عملی کے حقیقی ناقد کے طور پر آپ کا نام لیا جاسکتا ہے اور شیخ محمد اکرام کے بقول برِّصغیر میں مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور اجتماعی زندگی پر ان کا اثر فوری اور غیر معمولی تھا۔[4] لیکن ان کی اختیار کردہ سیاسی حکمتِ عملی نے انہیں حزب اللہ

---

[2] Aḥmad, Isrār, *Dāktar Isrār Aḥmad aur Tanzīm-i Islāmī: Aik Ta'āruf* (Karachi: Shū'ba-i Maṭbū'āt, Anjuman-i Khuddām al-Qur'ān Sindh, 2012), 59.

[3]. Aḥmad, Isrār, *Bar'i 'Azīm Pāk wa Hind main Islām kay Fikr kī Tajdīd wa Ta'mīl aur is say Inḥirāf kī Rāhein* (Lahore: Maktaba Khuddām al-Qur'ān, 1994), 30.

[4]. Sheikh, Muḥammad Ikrām, *Āb-i Kausar* (Lahore: Idāra Thaqāfat-i Islāmiyya, 2017), 209.

اور داعیِ حکومتِ الٰہیہ کے منصب سے ہٹا کر سیکولر متحدہ قومیت کے علم بردار کے مقام تک پہنچا دیا اور سید مودودیؒ کے بقول وہ جیتے جی مرحوم ہو گئے۔[5]

ابوالکلام آزادؒ کے ترک کردہ کام کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (1903ء-1979ء) نے آگے بڑھایا اور اس شان سے بڑھایا کہ شاہ ولی اللہؒ کی مساعی کے بعد ان کی فکری و عملی مساعی ملتِ اسلامیہ برّصغیر کے مسلمانوں کی بیداری میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف کے بعد کی تمام اسلامی احیائی تحاریک پر سید مودودی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد، سید مودودی کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کی فکر اصلاً سید مودودی کی فکر کا تسلسل ہے۔ سید مودودی نے قیامِ پاکستان کے بعد سیاسی جدوجہد کا جو ڈول ڈالا اور حالات کے مدوجزر نے جس طرح ان کی ساری سعی وجہد کو سیاسی میدان میں مرکوز کر دیا اس کے منفی نتائج تنظیمی طور پر سامنے آنا شروع ہوئے اور ردعمل کی سوچ نے جنم لیا یہاں تک کہ 1956ء میں ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے بعد جماعت اسلامی کی صفِ دوم کی قیادت کا بڑا حصہ جماعت اسلامی سے الگ ہو گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد اگرچہ اس وقت تک کسی نمایاں مقام کے حامل نہ تھے تاہم الگ ہونے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ سید مودودی پر ابتداً ان کا اعتراض سیاست اور دعوت کے کام میں عدم توازن کا تھا تاہم بعد میں انہوں نے سیاسی میدان میں کام کے لیے انتخابی جمہوریت کے طریقہ کار کو مسترد کرتے ہوئے احتجاجی منہج پر مبنی طریقہ کار کو اختیار کیا۔ بعد از آں انہوں نے خلافتِ اسلامی کی جدوجہد کو منظم کیا اور اسلامی ریاست کے مختلف پہلوئوں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

برّصغیر پاک وہند میں اسلامی سیاسی فکر کی تجدید واحیا کا تسلسل از شاہ ولی اللہ تا ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کا تجدیدی کام

ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت"، حصہ پنجم کے باب پنجم میں شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کے تحت لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تجدید اور اپنے عہد کے افکار وعمل میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی توفیق بخشی۔ ان کے اس تجدیدی کام کی وسعت میں بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے علم وعمل کے بہت سے میدانوں میں تجدیدی واصلاحی کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ ان کے سوانح گاروں نے جب ان پر قلم اٹھایا کہ ان کی سوانح حیات لکھیں، ان کے لئے یہ مشکل پیش آئی کہ ان کا تفصیلی جائزہ کیسے پیش کیا جائے؟

داماںِ نگہ تنگ وگلِ حسنِ تو بسیار گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ابوالحسن علی ندویؒ نے شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

1۔ اصلاحِ عقائد ودعوت الی القرآن
2۔ حدیث وسنت کی اشاعت اور فقہ کی تطبیق کی سعی
3۔ شریعتِ اسلامی کی مربوط ترجمانی اور مقاصدِ حدیث وسنت کی تشریح
4۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافتِ راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات
5۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور میں شاہ ولی اللہ کا مجاہدانہ کردار
6۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح
7۔ علمائے راسخین کی تعلیم وتربیت، جنہوں نے ان کے بعد اصلاحِ امت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھا۔[6]

شاہ ولی اللہؒ کے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک تنقید وتنقیح اور دوسرا تعمیرِ افکار۔

---

5. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Taḥrīk-i Āzādī-i Hind aur Musalmān (Ḥiṣṣa Awwal)* (Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 1999), 316.

6. Nadwī, Sayyid Abū al-Ḥasan 'Alī Ḥasanī, *Tārīkh-i Da'wat wa 'Azīmat* (Lucknow: Majlis Taḥqīqāt wa Nashriyāt-i Islām, 2006), 130–131.

تنقیدی کام

پہلے حصے کے تحت انہوں نے پوری تاریخِ اسلام کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ وہ پہلے مفکر ہیں جو تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے مابین اصولی فرق واضح کرتے ہیں۔ مسلم تاریخ کے ہر دور کا جائزہ لے کر اس میں بگاڑ کی نشان دہی اور اس کے اسباب کا تعین کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلم تاریخ میں موجود خرابیوں میں سے بنیادی خرابیوں کا سراغ لگایا اور آخر کار دو خرابیاں دریافت کرلیں ایک اقتدارِ سیاسی کا خلافت سے بادشاہت کی طرف منتقل ہونا۔ دوسرے روحِ اجتہاد کا مُردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔[7]

ماضی پر تنقید کے ساتھ شاہ ولی اللہ اپنے دور کا بھی مفصل جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک مسلم گروہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک کو نام بنام پکار کر ان میں در آنے والے بگاڑ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس میں نہ وہ حکمرانوں کو چھوڑتے ہیں نہ عوام کو۔ علماء وصوفیا، امراء و تاجر، فوجی غرض معاشرے کے ہر طبقے کے مرض کی نشان دہی کرتے ہیں اور علاج تجویز کرتے ہیں۔

تعمیری کام

شاہ ولی اللہ مسلمانوں میں قرآن فہمی کے زوال کے نتائج دیکھ رہے تھے۔ عوام الناس میں قرآن فہمی کی روایت پروان چڑھانے کے لیے انہوں قرآنِ کریم کا فارسی ترجمہ کیا جو اس دور میں بدعت سمجھا گیا لیکن اس اصلاحی کاوش کے انتہائی مفید دوررس نتائج مرتب ہوئے۔

شاہ ولی اللہ تقلیدِ جامد اور فرقہ پرستی کے بگاڑ سے بخوبی واقف تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ عوام الناس کے لیے تقلید کی اہمیت کے بھی قائل تھے۔ مسلمانوں کو متفق و متحد کرنے کے لیے انہوں نے فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کیا جس میں کسی ایک فقہی مذہب کی جانبداری اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انہوں نے تمام مذاہبِ فقہیہ کے اصول اور طریقِ استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ وہ علماء کے لیے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول و قواعد اور اس کی شرائط کو بیان بھی کیا ہے۔ ان کاموں سے بھی بڑھ کر جو عظیم الشان کام انہوں نے سرانجام دیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے پہلے اتنی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ یہ کام انجام نہ دیا جاسکا تھا۔ وہ پہلے مسلم مفکر ہیں جس نے فلسفہ اسلام کو مدوّن کیا اس سے قبل یونانی، رومی و ہندوستانی فلسفیانہ افکار کی اسلام کاری کر کے اسے ہی فلسفہ اسلام تصور کیا جاتا تھا۔[8]

انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے مضبوط بنانے کے لیے بادشاہوں اور امراسے خط کتابت بھی کی۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے اپنا مشہور حملہ شاہ ولی اللہ کے خط پر ہی کیا جس میں اس نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی تھی۔

برِصغیر پاک وہند میں تجدید و احیائے دین کی ایک اہم کڑی شاہ ولی اللہ دہلوی تھے۔ انہوں نے پہلی بار فارسی زبان میں قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا۔ انہوں نہ صرف قرانِ پاک کا ترجمہ کیا بلکہ احادیث کی اشاعت و ترویج کے لئے بہت کام کیا۔ ان کی سیاسی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے والئی افغانستان احمد شاہ ابدالی کو امادہ کیا کہ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکیں۔

---

7. Sheikh, Muḥammad Ikrām, *Āb-i Kausar* (Lahore: Idāra Thaqāfat-i Islāmiyya, 2017), 209.
8. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Tajdīd wa Iḥyā'-i Dīn*, 71.

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی افکار

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب 'البدور البازغہ' میں مملکت کو مدینہ کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔ انہوں نے سلطان اور اہم عہدِ اارانِ مملکت کے فرائض و ذمہ داریاں تفصیل سے بیان کیں۔ وہ حکومت کے لئے شوریٰ کو اہم قرار دیتے تھے۔ انہوں نے ایک کامل انسانی معاشرے کے لئے طہارت ،اخلاقِ فاضلہ اور عدالت کی صفات کو لازمی قرار دیا۔ انہوں نے حکومت کو خلافتِ ظاہرہ اور حکومت منتخب کرنے والی قوت کو خلافتِ باطنہ قرار دیا۔ ان کے معاشی نظریات کے مطابق معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو، وہ سمجھتے تھے کہ بدعنوانی، اور عوام پر بے جا محصول لاگوں کرنا، حکومت کے زوال کا سبب بن جاتا ہے۔

ان کی پھیلائی گئی روشنی میں ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید نے تحریکِ جہاد برپا کی۔ انہوں نے ہندستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک مکمل اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس تحریک میں ان دونوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بالاکوٹ کے مقام پر شہادت پائی۔ تحریکِ مجاہدین کو تحریکِ شہیدین بھی کہا جاتا ہے۔ انکا مقصد تھا کہ پہلے ریاستِ مدینہ کی طرز پر ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے، پھر اس کو پورے ہندستان تک پھیلا دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے شمال مغربی سرحدی علاقہ منتخب کیا کیونکہ پنجاب میں سکھ قابض تھے، اور باقی ہندستان میں انگریز قابض تھے۔ شمال مغربی سرحدی علاقہ اس مقصد کے لئے موزون ترین تھا۔ نیز افغانستان سے اسلامی اخوت کے ناتے یہ گمان بھی تھا کہ وہاں سے امداد بھی آئے گی۔ لیکن نہ تو افغانیوں کو خالص اسلامی ریاست کا قیام گوارا تھا اور نہ ہی وہاں کے مقامی لوگوں کو۔ اس طرح یہ تحریک سکھوں اور انگریزوں کی سازش اور مسلمانوں کی بے وفائی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ بالاکوٹ کے فیصلہ کن معرکہ میں سنہ 1831ء میں یہ تحریک بالآخر ناکامی سے دوچار ہوگئی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تحریک کی باقیات نے انگریزی حکومت کو کافی مشکل وقت دیا۔ تا آنکہ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی، اور برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں انگریزوں اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات ملی۔[9]

علامہ محمد اقبال

بیسویں صدی عیسوی میں علامہ محمد اقبال نے اپنی مِلّی شاعری کے ذریعے بیداری امتِ مسلمہ کا دشوار کام سر انجام دیا۔ جس میں اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، جاوید نامہ اور بس چہ باید کرد اے اقوام شرق، خصوصی حیثیت رکھتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اسلام کے تصور دین کی علمی اور فلسفیانہ تعبیر اپنے خطبات 'The reconstruction of religious thoughts in Islam' میں کی۔ علامہ محمد اقبال کی مخاطب پوری ملتِ اسلامیہ ہے، لیکن انہوں نے خصوصیت سے مسلمانوں کے ذہین اور بااثر تعلیم یافتہ طبقے کو خطاب کیا۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے افکار کے اظہار کے لئے شاعری کو ذریعہ بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان ایک شکست خوردہ قوم بن چکی تھی، اس شکست خوردہ قوم میں تحریک پیدا کرنے کے لئے عقلی اپیل کے ساتھ ساتھ جذباتی اپیل کی بھی سخت ضرورت تھی۔ وقت کے چیلنج کا تقاضا عقل کو مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ جذبات میں تموّج بھی پیدا کرنا تھا کہ اس جمود کو توڑا جائے جس میں ملتِ اسلامیہ پابندِ سلاسل تھی۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے ❁ کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

علامہ محمد اقبال نے اسلامی فکر کی تجدید نو کی اور صحیح اسلامی فکر کو اجاگر کیا۔ انہوں نے مسلمانوں میں غیرتِ ملی کو جگایا، اور انہیں مغربی افکار کی برتری کے سحر سے نکالا۔ مسلمانوں کو بحیثیتِ ایک امت تمدنی اور سیاسی اعتبار سے اسلام کی راہ پر ڈالا۔ یہ علامہ اقبال کا تجدیدی کارنامہ تاریخ میں درج کیا جاچکا ہے۔[10]

عہدِ حاضر میں اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید میں سب سے اہم کردار علّامہ محمد اقبال کا ہے۔ مسلمانوں نے دینِ اسلام کو محض مذہب سمجھ لیا تھا، اور یہ بات بھول گئے تھے کہ اسلام صرف چند مذہبی رسومات ادا کرلینے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے، ہے جو کہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور

---

[9]. Aḥmad, Isrār, *Islām aur Pākistān: Tārīkhī, Siyāsī, ʻIlmī aur Thaqāfatī Pasmanzar* (Lahore: Tanzīm-i Islāmī Markazī Daftar, 1989), 18–23, 50–59.
[10]. Farīd, ʻĀrifa, *Liberalism and Islam* (Karachi: BCC & TP Press University, 2016), 75–83.

مغربی اقوام کی غلامی نے مسلمانوں کو پست ہمت اور کوتاہ نظر بنادیا تھا۔ تکبیر ربّ، جیسے انقلابی تصوّر کو مسلمانوں نے صرف تسبیح و تحمید تک محدود کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے بڑے پر اثر انداز سے دین و مذہب کے اس فرق و تفاوت کو واضح کیا۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل　　یا خاک کی آغوش میں تسبیح مناجات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ وخدا مست　　یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

سید مودودی کے مطابق اقبال کا اصل کارنامہ ان کا آزاد ذہن، اسلام پر یقینِ محکم اور قومیت و وطنیت کے محدود تصورات سے بالاتر اسلام کے تصورِ "امت" سے وابستگی ہے۔

"سب سے اہم کام جو اقبال نے انجام دیاوہ یہ تھا کہ انھوں نے مغربیت اور مغربی مادہ پرستی پر پوری قوت کے ساتھ ضرب لگائی۔ اگرچہ یہ کام اس وقت علماے دین اور اہلِ مدارس اور خطیب حضرات بھی انجام دے رہے تھے، مگر ان کی باتوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا اور کیا جاسکتا تھا کہ یہ لوگ مغربی فلسفے اور مغربی تہذیب و تمدن سے واقفیت نہیں رکھتے۔ لوگ ان اہلِ علم کی بات کو کچھ زیادہ وزن نہیں دیتے تھے جو اگرچہ دین سے تو واقف تھے، لیکن مغربی علوم، مغربی فلسفے، مغربی تہذیب اور مغربی زندگی سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ان کے برعکس اقبال وہ شخص تھا کہ وہ اس سے زیادہ مغرب کو جانتا ہے اور اس سے زیادہ مغرب کے فلسفے اور مغربی علوم سے واقف ہے۔ اس لیے جب اقبال نے مغربیت، مغربی مادہ پرستی، مغربی فلسفے اور مغربی افکار پر چوٹ لگائی، تو مسلمانوں پر مغرب کی جو مرعوبیت طاری تھی وہ کافور ہونے لگی، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مرعوبیت کو توڑنے میں اکیلے اقبال کا کارنامہ سب سے بڑھ کر ہے..."[11]

تین اعتبارات سے علاّمہ اقبال ہمارے محسن ہیں۔ ایک یہ کہ سرزمین پاکستان جس میں ہم ایک آزاد اور خود مختیار قوم کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، اس کا قیام علامہ اقبال کے تصوّر پاکستان کا رہینِ منت ہے۔ دوم یہ کہ وہ عالمی ملتِ اسلامی اور امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کا سب سے بڑا حدی خواں ہے، سوم یہ کہ دینِ اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃِ ثانیہ کے عظیم داعی کی حیثیت بھی اقبال کو حاصل ہے۔ علاّمہ اقبالؒ نے اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید کی لیکن خود عملی طور پر کسی تحریک کا آغاز نہیں کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ جس طرح اپنی مساعی کو قلم و قرطاس تک ہی محدود رکھ پائے، لیکن بعد میں یہی فکر سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح بیسویں صدی عیسوی کے آغاز کی احیائی تحریکیں بھی فکرِ اقبال سے جِلا پاتی رہیں۔ علامہ اقبال نے مغرب کی علمی اور سائنسی ترقی کو قران کا ظہور قرار دیا۔ اسی طرح عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے مستعار اور ماخوز قرار دیا۔ اسلام کے علمِ کلام کو افلاطونی سیاسی تصورات کی وادیوں سے نکالا۔ ارسطو کی منطق کے چنگل سے بھی آزادی دلائی۔ اور جدید تجرباتی علوم کی اساس پر اسے استوار کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی عمرانی نظریات اور سیاسی تصورات پر زبردست تنقید کی۔ دوسری جانب اسلام کے صحیح انقلابی فکر کی پوری شان کے ساتھ تجدید کی۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دینِ اسلام اور اس کے نظامِ عدل اجتماعی کو دورِ جدید کی اعلیٰ ترین فکری سطح سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا۔ مغربی افکار، سیکولرزم اور نیشنلزم و وطنی قومیت علامہ اقبال کی تنقید سے بچ نہ سکے۔ علامہ اقبال کے نزدیک دین اور سیاست کی علیحدگی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ نیز انسانی حاکمیت کا نظریہ علامہ اقبال کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔ چاہے وہ شخصی حاکمیت کا نظریہ ہو یا قومی اور عوامی حاکمیت کا۔[12]

ذیل میں علامہ اقبال کے چند اشعار درج کئے گئے ہیں، جو مذکورہ بالا سطور کی سچائی پر شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔

---

11. [Author not provided], *Shakhṣiyyāt* (Lahore: Al-Badr Publications, n.d.), 232–244.
12. Aḥmad, Isrār, *Islām aur Pākistān: Tārīkhī, Siyāsī, ‘Ilmī aur Thaqāfatī Pasmanzar*, 18–23.

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اور

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں کتنے گہرے اور شاندار پیرائے میں یہ بات بیان کی:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس جب ذرا آدم ہوا خود شناس و خود نگر

علامہ محمد اقبال سمجھتے تھے کہ دیارِ مغرب میں احیاء العلوم اور اصلاحِ مذہب کی تحریکوں کی بدولت بنی آدم میں ایک طرح کا شعورِ خود نگری، اور خود شناسی پیدا ہوا، وہ اپنی اصل کے لحاظ سے تو صحیح تھا لیکن اس کو ابلیس اور اس کے چیلوں نے عوامی حاکمیت کا لباس پہنا کر شیطانیت کے سب سے بڑے نمائندے کا کردار دیا۔ اسی طرح علامہ محمد اقبالؒ نے وطنی قومیت پر جو نظم رقم کی ہے، وہ وطنی قومیت کی بیخ کنی کے لئے کافی ہے۔ جس کی بدولت وہ بجاطور پر مغربی تمدن کے سب سے بڑے بت کو توڑنے والا اور قومیتِ اسلام کا مجدد اعظم قرار پانے کے مستحق ہیں۔

نظارہءِ دیرینہ زمانے کو دکھا دے اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

علامہ اقبال نے اپنی اردو نظم میں وطنی قومیت کے سیاسی تصور کو عہد حاضر کے تازہ خداؤں میں سب سے بڑا خدا قرار دیا۔ اور تہذیبِ جدید کے آذر کے تراشیدہ اصنام میں سے سب سے بڑا صنم قرار دیا۔ وطنیت کو گویا شرک قرار دیا، جو کہ اسلام میں ناقابل معافی گناہ ہے۔ علامہ اقبال نے قومی وطنیت کو بنی نوعِ انسان کے لئے تباہ کن اور مہلک مرض قرار دیا جس کے وجود سے مخلوقِ خدا میں رقابت جنم لیتی ہے، اور فرقہ وعداوت پرورش پاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں سیاست اخلاقِ عالیہ سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور تجارت کا مقصود سرمایادارانہ نظام کی حفاظت بن جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے غریب اقوام کا گھر غارت گری کا شکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی سیاسی افکار، سیکولرزم، عوامی حاکمیت اور وطنی قومیت کی پرزور بھی کی اور مغربی تمدن کو انتباہ کیا کہ

دیارِ مغرب کے رہنے والوں خدا کی بستی دکان نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زر کم عیار ہو گا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا۔

علامہ محمد اقبال نے 1936ء میں "ابلیس کی مجلس شوریٰ" لکھی جس میں امتِ مسلمہ کے نام پیغام، ان کی طرف سے پیامِ آخریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ابلیس اور اس کی ذریت کو اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام سے ہے، نہ کہ جمہوریت سے۔ اور نہ ہی اشتراکیت سے، کیوں کہ مغرب کی نام نہاد جمہوریت تو دراصل ملوکیت کا ایک پردہ ہے، جس کا چہرہ تو بظاہر روشن ہے لیکن باطن اس کا وہی ہے، جو کہ چنگیز خان کا تھا۔ اسی طرح اشتراکیت بھی بنی نوع انسان کی پریشانیوں کو حل نہیں کر سکتی۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد یہ پریشاں روزگار' آشفتہ مغز، آشفتہ ہو!

اور

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

اور

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے مزدکیت فتنہءِ فردا نہیں' اسلام ہے

ابلیس کو اسلام سے اصل خطرہ تو ہے لیکن مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال سے ابلیس کو پورہ اطمینان بھی حاصل ہے، کہ ان مسلمانوں میں اب وہ دم نہیں کہ ابلیسی نظام کو نقصان پہنچا سکیں۔

جانتا ہوں میں کہ یہ امت حامل قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندہءِ مومن کا دیں

اور

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں بے ید بیضا ہے پیراں حرم کی آستیں!

مسلمانوں کے ایمان کی حالت کے بارے میں ابلیس کو یہ معلوم ہے، کہ وہ یقین سے بے یقینی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین

لیکن بات یہ ہے کہ تاریخ کا دہرائے جانے کا بہاؤ پھر تلاشِ مصطفیٰ کی جانب رواں ہے، لہٰذہ ابلیس کے لئے یہ بات باعث تشویش ہے کہ عصر حاضر کے تقاضاوں سے ہے لیکن یہ خوف ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں!

اور پھر علامہ اقبال اس نظم کے آخری اشعار میں اسلام کی، نظام مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ کہ ابلیس کو کتنا خوف آتا ہے کہ کہیں دینِ اسلام اپنی اصل شان کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر نہ ہو جائے۔

الحذر آئینِ پیغمبر سے سوبار الحذر حافظ ناموس زن مرد آزما' مرد آفریں

اس شعر میں علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کے معاشرتی نظام کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کی عصمت و عفت اور عزت و ناموس کی حفاظت کو اولین ہدف حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں معاشی ذمہ داری کا بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے، عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں لگائی گئی۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے نے کوئی فغفور و خاقاں 'نے گدائے رہ نشیں

مندرج بالا شعر میں علامہ اقبال نے اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں بندہ و آقا کی کوئی تمیز نہیں۔ سب قانوں کے سامنے ایک ہی حیثیت کے حامل ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری۔

مندرجہ بالا اور مندرج ذیل شعر میں علامہ اقبال کے مطابق اسلام روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کے نظام کے خواہش مند تھے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر۔[13]

مولانا ابو الکلام آزاد

برِ صغیر پاک و ہند میں احیائے دین کی دعوت لے کر اٹھنے والے پہلے مفکّر مولانا ابو الاکلام آزاد مرحوم تھے۔ جس نے اس صدی کے اوائل میں "الہلال" اور "البلاغ" کے رسائل جاری کئے۔ جس میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی پر زور دعوت دی گئی۔

مغلیہ سلطنت کے خاتمے اور برطانوی راج کے اثرات مسلمانوں کے لیے ہلاکت خیز تھے۔ ابو الکلام آزاد نے مسلمانوں کے لیے راہِ نجات قرونِ اولیٰ کے طرزِ عمل میں تلاش کی اور "حکومتِ الٰہیہ" کے قیام کا نظریہ پیش کیا۔ آپ نے گزشتہ صدی کے اوائل میں "الہلال" اور "البلاغ" نامی رسائل جاری کئے۔ جس میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی پر زور دعوت دی گئی۔ ان کے پر جوش اور جذبات انگیز طرزِ نگارش اور مسحور کن خطابت نے انہیں مقبولیت عامہ عطا کر دی اور ان کی دعوت نے بے شمار مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔

برِّ صغیر پاک و ہند کی تاریخ میں انیسویں صدی میں بنگال کے حاجی شریعت اللہؒ (متوفی 1840ء) نے اپنی فرائضی تحریک میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ منظم انداز میں درجہ بدرجہ تنظیمی عہدے متعارف کرائے اور اس طرح عوامی مفادات کے حصول کی جدوجہد کے لیے ایک منظم جماعتی ساخت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ان کے بعد مولانا ابولکلام آزادؒ وہ دوسرے فرد تھے جنہوں نے مسلم مفادات کی نگہ بانی کے لیے تنظیمی ڈھانچہ کی اہمیت کو نہ صرف بلند آہنگ میں بیان کیا بلکہ اس کے لیے عملی اقدام بھی کیا۔ انہوں نے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لیے انقلابی تنظیم "حزب اللہ"

---

[13]. Aḥmad, Isrār, *Islām aur Pākistān: Tārīkhī, Siyāsī, ‘Ilmī aur Thaqāfatī Pasmanzar*, 18–23.

کی داغ بیل ڈالی اور اپنے رسالہ "الہلال" کو اس کے مقاصد کی ترویج کے لیے استعمال کیا۔ اس جماعت کا مقصد مذہبی تعلیمات کا احیاء اور مسلم سیاسی مفادات کی نگہداشت تھا۔ اپنے مقاصد میں ناکامی کے باوجود اس منصوبے کے اس عہد کے باشعور مسلم نوجوانوں پر اثرات غیر معمولی تھے۔ سید مودودی بھی نوجوانی میں "الہلال" کے سنجیدہ قاری تھے۔

"الہلال" نومبر 1914ء میں بند ہوا اس کی جگہ "البلاغ" نے لے لی۔ یہ بھی مارچ 1916ء میں بند ہو گیا۔ اس سال مولانا رانچی میں نظر بند کیے گئے۔ یکم جنوری 1920ء کو مولانا رہا ہوئے۔

1920ء میں آزاد نے ایک نئی تنظیمی اسکیم پیش کی جس کا مقصد کل ہند سطح پر مسلمانوں کی اجتماعیت کو "امیر ہند" کے تحت منظم کرنا تھا۔ ہر صوبے کے مسلمان اپنے اپنے صوبے میں ایک امیر شریعت کا انتخاب کریں اور جو کہ علماء کی ایک کونسل کے تعاون سے مسلمانوں کے مذہبی معاملات کی نگہبانی کرے اور یہ صوبائی امیر پھر ایک "امیر ہند" کا چناؤ کریں۔ انہوں نے اس منصوبے کے لیے رائے عام ہموار کرنے کی غرض سے اپنے بعض رفقاء کو مختلف مقامات پر بھیجا لیکن آزاد کا یہ منصوبہ بھی مسلم قائدین اور عوام کی جانب سے سرد مہری کا شکار ہو گیا۔[14]

حریتِ فکر و عمل آپ کا بنیادی عقیدہ تھا یہی وجہ ہے کہ متعدد بار آپ کو برطانوی سامراج کے خلاف بغاوت کے جرم میں پابندِ سلاسل کیا گیا۔ تحریکِ خلافت میں آپ بھرپور شریک رہے اور اس حوالے سے "مسئلہ خلافت" پر معرکہ آرا خطاب کیا جو آج بھی کتابی شکل میں حوالے کا کام دیتا ہے۔

مولانا ابوالکلام مرحوم کا طرز تحریر بھی نرالا تھا۔ ان کے مخصوص طرزِ تحریر اور خطابت نے ان کی شہرت کو برِ صغیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا تھا۔ ان کی دعوت نے بے شمار مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "قرآن کا قانونِ عروج و زوال" میں امتِ مسلمہ کے عروج وزوال کی داستان رقم کی۔۔ لیکن کچھ اسباب کی بنا پر اس نے اس عظیم کام کو خیر باد کہہ دیا۔ اور انڈین نیشنل کانگرس میں شمولیّت کر لی۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "موجِ کوثر" میں لکھتے ہیں کہ: "نومبر 1914ء میں الہلال کی بندش کے بعد اس کی جگہ البلاغ نے لے لی۔ لیکن یہ بھی مارچ، 1916ء میں بند ہو گیا۔ اس سال مولانا کو رانچی میں اسیر بنا دیا گیا۔ 1920ء میں مولانا ابولکلام کو رہائی ملی۔ یہ دور مسلمانوں کے لئے بہت ہی اہم تھا۔ اس وقت تحریکِ خلافت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اسلامی اتحاد کے پرجوش داعی تھے' اور خلافتِ عثمانیہ کے متحرک معاون تھے۔ انہوں نے بھی جوہر برادرز کے ساتھ تحریکِ خلافت میں برابر کا حصہ لیا، انہوں نے مسلمانانِ ہند کے لئے افغانستان ہجرت کرنے کا فتویٰ صادر کیا۔ جس پر مسلمانوں نے عمل کیا۔ لیکن 1924ء میں ترکوں نے خود خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند کے ان راہنماؤں کو اپنی سیاسی پالیسی پر نظر ثانی کرنی پڑی، جنہوں نے جنگِ طرابلس کے وقت سے اپنی سیاسی پالیسی کی اساس خلافتِ عثمانیہ کی بقا اور ترکی کی شدید محبت پر قائم کی تھی۔ تنسیخ خلافت ان کے لئے ایک صدمہ سے کسی طور کم نہ تھی۔ اب تحریکِ خلافت کے راہنماؤں نے اندرونِ ہند سیاسی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ 1928ء میں نہرو رپوٹ شائع کی گئی۔ جس میں ملک کے مستقبل کے آئین کے بارے میں انڈین نیشنل کانگرس نے اپنا نکتہء نظر بتایا تھا۔ اس کی اشاعت نے مسلم قومی راہنماؤں کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ لیکن مولانا ابولکلام آزاد انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی سیاسی زندگی کانگرس کی تاریخ کا ایک باب بن گئی۔ تحریکِ پاکستان کے دور میں وہ کانگرس کے صدر کے عہدے پر تھے، جس کی وجہ سے ان کی شخصیت اور طریقہء کار مسلمانوں میں معرضِ بحث بنتے رہے۔ ان کو تقسیمِ ہند سے کچھ قبل کانگرس کی طرف سے وزیرِ تعلیم مقرر کیا گیا، وہ اپنی وفات 1958ء تک اس عہدہ پر رہے"۔[15]

---

[14] . Naṣr, Sayyid Walī Reza, *Islāmī Inqilāb kā Harāwal Dasta: Jamāʿat-i Islāmī Pākistān*, trans. Zāhid Ḥusayn Ṣiddīqī (Karachi: Urdu Academy Sindh, 2000), 25–26.

[15]. Sheikh, Muḥammad Ikrām, *Āb-i Kausar* (Lahore: Idāra Thaqāfat-i Islāmiyya, 2017), 228.

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ عالم دین، مفسر، مفکر، دانش ور اور قائد تھے۔ معروف امریکی نژاد نو مسلمہ اور "سیاسی اسلام" کے حوالے سے اہم مصنفہ مریم جمیلہ (1934ء-2012ء) سید مودودیؒ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"مولانا مودودی نے دعوت اسلامی کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ کیفیت اور کمیت دونوں دونوں اعتبار سے گرانبہا ہیں تاہم اس باب میں وہ اپنے بہت سے پیشرؤوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ انہیں ناصرف علوم اسلامی پر مکمل عبور حاصل ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ جدید دنیوی علوم پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں"۔[16]

"الجہاد فی الاسلام" آپ کی وہ پہلی تصنیف ہے جس نے آپ کو ہندوستان کے علمی حلقوں میں وسیع پیمانے پر متعارف کرادیا۔ 24 سال کی عمر میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک پر[17] لکھی جانے والی اس کتاب کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:ا"سلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانونِ صلح وجنگ پر یہ ایک بہترین تصنیف ہے اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتاہوں کہ وہ اس کا مطالعہ کرے"۔[18]

سید مودودی اپنی اپنی صحافتی زندگی کے آغاز میں "مدینہ" بجنور، "تاج" جبل پور اور جمیعۃ العلمائے ہند کے ترجمان جریدے "الجمیعۃ" سے بطور مدیر منسلک رہے۔ 1925ء میں جمیعت العلماء کی پالیسی سے اختلاف کے باعث "الجمیعۃ" چھوڑ کر حیدرآباد دکن منتقل ہوگئے۔ 1932ء میں ترجمان القرآن کی حیدرآباد دکن سے اشاعت کے ساتھ آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور سید مودودیؒ امتِ مسلمہ کے مرضِ کہن کی تشخیص وعلاج کے لیے اپنے افکار و نظریات کے پرچار میں مصروف نظر آتے ہیں۔ 1937ء میں علامہ محمد اقبالؒ (1877ء-1938ء) نے آپ کی فکر سے متاثر ہو کر آپ کو لاہور آنے اور[19] اسلامی قانون کے احیا کے لیے مل کر کام کرنے کی دعوت دی۔ گورداس پور، پٹھان کوٹ کے ایک صاحبِ دل مسلمان چوہدری نیاز احمد خان نے ایک بڑا قطعہ اراضی علوم دینی کی ترویج کے لیے مختص کیا اور علامہ اقبالؒ کے مشورے سے سید مودودی کو اس کا انتظام سنبھالنے کی دعوت دی۔ سید مودودیؒ مارچ 1938ء میں اس مجوزہ اسلامی بستی "دارالسلام" منتقل ہوگئے لیکن اگلے ہی ماہ علامہ اقبالؒ کی وفات نے یہ خواب پورا نہ ہونے دیا۔ 1939ء میں آپ کچھ اختلافات کی بناء پر پٹھانکوٹ سے لاہور منتقل ہوگئے اور اسی سال آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں اعزازی صدر شعبۂ اسلامیات کے طور پر کام کیا۔ آپ کے مضامین نے معاشرے میں ایک ہلچل پیدا کی۔ جمود کے شکار اور زوال آمادہ معاشرے میں یہ ہلچل کسی بڑے بھونچال کی بجائے معمولی ارتعاش ہی پیدا کر سکی تھی۔ لیکن یہ ارتعاش بھی بڑا قیمتی تھا۔ معاشرے کے سلیم الطبع افراد آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور بعد ازآں ان میں سے کئی آپ کے ساتھ شریکِ کار رہے۔

قیامِ پاکستان سے قبل تک دارالکفر میں نظامِ حکومت میں شرکت کی شرعی ممانعت کے اصول کے تحت آپ عملی سیاست سے مجتنب رہے اور نظریاتی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے لیکن تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں یہ موانعات دور ہونے کے بعد آپ نے عملی سیاست میں قدم رکھا اور ملک کی نظریاتی سمت کے درست تعین کے حوالے سے قراردادِ مقاصد کی منظوری میں اہم کردار ادا کیا۔[20] قیامِ پاکستان کے مقاصد کے تناظر

---

[16]. Jamīla, Maryam, *Islām: Aik Naẓariyya, Aik Taḥrīk* (Lahore: A'lā Publications, 2006), 343.
[17]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Jamā'at-i Islāmī kay 29 Sāl* (Lahore: Shu'ba-i Nashr wa Ishā'at Jamā'at-i Islāmī Pākistān, 1997), 14.
[18]. 'Abd, 'Abdur Raḥmān, *Sayyid Abū al-A'lā Maudūdī: Sawāniḥ, Afkār, Taḥrīk* (Lahore: Idāra Tarjumān al-Qur'ān (Private) Limited, 2011), 82.
[19]. Jamīla, Maryam, *Islām: Aik Naẓariyya, Aik Taḥrīk*, 300.
[20]. Jamīla, Maryam, *Islām: Aik Naẓariyya, Aik Taḥrīk*, 301.

میں ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ، انسانی حقوق کی بحالی، جمہوریت کے دفاع اور بعد ازآں سوشلزم کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے حوالے سے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔الحاد و لادینیت، مادہ پرستی اور مغربی تہذیب کے دیگر زہریلے پھلوں کا تریاق پیش کرکے آپ نے مسلم نوجوانوں میں اسلام پر اعتماد اور بحیثیت مسلمان اپنی ذمے داریوں کا شعور پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

بانیِ جماعتِ اسلامی سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کے معاشرتی نظام اور سیاسی نظام پر بہترین کتابیں تصنیف کیں۔ایسا لگتا ہے کہ علّامہ محمد اقبالؒ کے افکار جو انہوں نے اپنی شاعری میں پیش کئے ہیں، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان کے افکار کی تفسیر و توضیح اپنی کتب میں لکھ دی ہو۔ سرسید احمد خان نے فلاحِ قوم کی جو راہ ڈھونڈی تھی بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اس کے مضر اثرات سامنے آنا شروع ہو چکے تھے۔ سید مودودیؒ نے "پردہ"، "تنقیحات" اور "تفہیمات" کے مضامین کے ذریعے اس دور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں مغرب کی مرعوبیت اور ذہنی غلامی پر کڑی چوٹ لگائی اور مغربی تہذیب کا بوداپن عیاں کرتے ہوئے اسلامی لائحہِ عمل کی نشان دہی کی۔"تجدید واحیائے دین" میں آپ نے تحریک تجدید واحیائے دین کا بے لاگ تجزیہ کیا، مجددین کی حقیقی عظمت کو اجاگر کیا ہے اور اس حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ 1938ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے بپاکردہ متحدہ قومیت کے فتنے کا مقابلہ "مسئلۂ قومیت" اور جن دیگر مضامین کے ساتھ کیا گیا وہ اب "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان" حصہ اول کے نام سے موجود ہیں۔اس سلسلہِ مضامین میں آپ نے قوم پرست علماء پر لادینی قوم پرستانہ سیاست کے حوالے سے اپنے تئیں ان کی غلطی واضح کی ہے۔ بعد ازآں مسلم لیگ کی مسلم قوم پرستانہ تحریک بھی آپ کے قلم کی کاٹ سے محفوظ نہ رہی اور "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم کے مضامین (جدید "تحریکِ آزادیِ ہند اور مسلمان"۔ دوم) اس پر شاہد ہیں۔معاشرتی اور رائے عامہ کا دباؤ انہیں مسلمانوں کے مقبول سیاسی موقف سے اختلاف کرنے سے باز نہ رکھ سکا اور انہوں نے اپنے موقف کا بدلائل پرچار جاری رکھا۔ مسلم لیگ کی مسلم قوم پرستانہ تحریک کے عین مرکز علی گڑھ یونیورسٹی میں جاکر آپ نے اس طریقۂ کار پر تنقید کی جسے مسلم لیگ اسلامی حکومت کے قیام کے نام پر اختیار کیے ہوئے تھی اور اس کے مقابل اس طریقے کی نشان دہی کی جس سے ایک اسلامی حکومت وجود میں آتی ہے۔ یہ تقریر "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟" کے نام سے مندرجہ بالا مجموعے میں شامل ہے۔

آپ نے بغیر کوئی نظریاتی انقلاب لائے محض نسلی مسلمانوں کی اکثریت کی بنیاد پر اسلامی ریاست قائم کرنے کی خام خیالی کے حوالے سے یہاں تک کہا:

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی، مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے، پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جاسکتا ہے۔میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے 'اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا"۔[21]

سید مودودیؒ کی پوری فکر میں حریتِ فکر بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ تقلیدِ جامد کو آپ رد کرتے ہیں اور سوائے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ اسلام کو ایک روایتی مذہب کی جگہ ایک دین (بمعنی نظامِ حیات) اور تحریک قرار دیتے ہیں۔ دین کی مروجہ تعبیر، تحریکی تعبیر سے مختلف ہے۔ مروجہ تعبیر طاغوت کے اقتدار میں بھی محض اپنے مراسمِ عبودیت (نماز، روزہ، حج وغیرہ) کی ادائی پر مطمئن رہتی ہے۔اسی فکر پر تنقید کرتے ہوئے اقبالؒ نے کہا تھا:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

جب کہ تحریکی اسلام کا تصور، غیر اللہ کی حاکمیت پر راضی رہ جانا بندگی کے بنیادی تقاضوں کے خلاف سمجھتا ہے اور اس کے خلاف جدوجہد ضروری قرار دیتا ہے۔

---

[21]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Islāmī Ḥukūmat Kis Ṭaraḥ Qā'im Hotī Hai?* (Lahore: Islamic Publications Limited, 1980), 20–21.

سید مودودیؒ کی بنیادی فکری کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" ہے۔ جس میں وہ "الٰہ، رب، عبادت اور دین" کی دینی اصطلاحات کی جامع تشریح پیش کرتے ہیں اور ان ہی تشریحات پر ان کا پورا فکری کام بنیاد رکھتا ہے:

"'الٰہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن مجید کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ساری دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب اور الٰہ ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے اور نہ رب اور نہ الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کے ساتھ شریک ہے۔ لہٰذا، اسی کو اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی الوہیت اور ربوبیت سے انکار کر دو۔ اسی کی عبادت اختیار کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے لیے اپنے دین کو خالص کر لو اور ہر دوسرے دین کو رد کر دو۔"[22]

سید مودودیؒ نے کفر بالطاغوت اور توحیدِ عملی کے تقاضوں کی نشان دہی کی اور امتِ مسلمہ کی اس حوالے سے ذمے داریوں کا بھولا سبق اسے یاد دلایا۔ انہوں نے کہا کہ بگاڑ کا سبب قرآنی فکر سے دوری اور دینی اصطلاحات کا رفتہ رفتہ اپنا معنی کھوتے چلے جانا تھا۔

سید مودودیؒ کہتے ہیں: "لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قران کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا"۔[23]

سید مودودیؒ کی فکر میں "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے لیکن آپ کی قائم کردہ جماعتِ اسلامی کی حکمتِ عملی کی بنیاد زمامِ کار کی اہمیت کے ان تصورات پر رکھی گئی جو "تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں" نامی تقریر میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد عملی سیاست میں حصہ لینے کے بعد الٰہ، طاغوت اور توحیدِ عملی کے نظریاتی ابلاغ کے بجائے ان نظریات کی عملی صورتِ گری میں ہمیں سب سے زیادہ زور زمامِ کار کی اہمیت کے بیان اور انقلاب امامت کی سیاسی جدوجہد کے حوالے سے نظر آتا ہے۔ یہی چیز بعد ازآں جماعتِ اسلامی کی اقامتِ دین کے لیے ہمہ جہت تبدیلی کی جدوجہد (جس میں سماجی تبدیلی جس کے لیے اسلامی تعلیمی نظام کا احیاء سرِ فہرست تھا[24] کے بجائے تبدیلیِ قیادت کی بہر نوع کوششوں کا باعث بنی جو تاحال جاری ہیں۔ سید مودودیؒ زمامِ کار کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انسانی زندگی کے مسائل میں جس کو تھوڑی سی بصیرت حاصل ہو، وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلے پر منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملاتِ انسانی کی زمامِ کار کس کے ہاتھ میں ہے"۔[25]

اسی بنیاد پر آپ امامتِ صالحہ کے قیام کو دین کا مقصود قرار دیتے ہیں:

"اللہ کا دین اول تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ بالکلیہ بندۂ حق بن کر رہیں اور اُن کی گردن میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا حلقہ نہ ہو۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ اللہ ہی کا قانون لوگوں کی زندگی کا قانون بن کر رہے۔ پھر اس کا مطالبہ یہ ہے کہ زمین سے فساد مٹے، ان منکرات کا استیصال کیا جائے جو اہل زمین پر اللہ کے غضب کے موجب ہوتے ہیں اور اُن خیرات وحسنات کو فروغ دیا جائے جو اللہ کو پسند ہیں۔ ان تمام مقاصد میں سے کوئی مقصد بھی اس طرح پُورا نہیں ہو سکتا کہ نوعِ انسانی کی رہنمائی و قیادت اور معاملاتِ انسانی کی سربراہ کاری ائمہ کفر و ضلال کے ہاتھوں میں ہو اور دینِ حق کے

[22]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Qur'ān kī Chār Bunyādī Iṣṭilāḥayn* (Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 2000), 7.
[23]. Maudūdī, Sayyidou al-A'lā, *Qur'ān kī Chār Bunyādī Iṣṭilāḥayn*, 7.
[24]. Ghāzī, 'Irfān, *Jamā'at-i Islāmī: Aik Almanak Dāstān* (Lahore: Sāgar Publications, 2016).
[25]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Taḥrīk-i Islāmī kī Akhlāqī Bunyādayn* (Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 1999), 5.

پیرو محض اُن کے ماتحت رہ کر اُن کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یاد خدا کرتے رہیں۔ یہ مقاصد تولازمی طور پر اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ تمام اہل خیر وصلاح جو اللہ کی رضا کے طالب ہوں، اجتماعی قوت پیدا کریں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ایک ایسا نظامِ حق قائم کرنے کی سعی کریں جس میں امامت ورہنمائی اور قیادت وفرماں روائی کا منصب مومنین صالحین کے ہاتھوں میں ہو۔ اس چیز کے بغیر وہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا جو دین کا اصل مدعا ہے"۔[26]

درحقیقت ایک جوہری فرق ماضی اور حال کے مابین واقع ہو چکا ہے جس کا لحاظ کیے بغیر نظریہ اقامتِ دین کی تفہیم دشوار ہے اور وہ یہ کہ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سانحہ رونما ہوا کہ اسلام کا سیاسی اقتدار عملاً معدوم ہو گیا۔ اس سے قبل یہ تو ہوا کہ نااہل وبدکار فرماں روا آتے رہے اور شریعت کی نافرمانی کا سلسلہ سرکاری سطح پر جاری رہا تاہم امت کی تاریخ میں یہ کبھی نہ ہوا کہ اسلام مغلوب ہو کر رہ جائے اور دنیا کے نقشے پر کوئی نام نہاد ہی سہی اسلامی ریاست باقی نہ رہے۔ برصغیر میں شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسمٰعیلؒ وسید احمدؒ اور سید مودودیؒ کی مساعی اسی حوالے سے دیکھی اور سمجھی جا سکتی ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نظریہ اقامتِ دین پر اعتراض جدید دور میں "سیاسی اسلام" پر اعتراض کے نام سے سامنے آیا ہے۔

سیاسی اسلام کی تعریف وکی پیڈیا کے مطابق یہ ہے:

Political Islam is any interpretation of Islam as a source of political identity and action. It can refer to a wide range of individuals and groups who advocate the transformation of state and society according to what they see as Islamic principles[27]

لیکن اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ اسلام بطور ریاستی نظام پیش کیا جائے اور اسلام کے سیاسی نظام کا غلبہ یا اسلامی ریاست کا قیام ایک مسلمان کا مطلوب ومقصود ہے۔

"سیاسی اسلام" کے مفکرین میں چار نام زیادہ صراحت سے لیے جاتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہابؒ۔ سید مودودیؒ۔ سید قطبؒ۔ علی شریعتیؒ

سید مودودیؒ پر امن جدوجہد کے داعی ہیں اور طاغوت کے انکار، اسلام کے غلبۂ سیاسی کی فکر، اس کے لیے ان تھک جدوجہد اور اسلامی تصورِ جہاد پر غیر معذرت خواہانہ رویے نے انہیں مسلم انقلابی مفکرین (یا عرفِ عام میں سیاسی اسلام کے داعیین) کی صفِ اول میں جگہ فراہم کر دی ہے۔

ڈاکٹر ولی رضا نصر مشرقِ وُسطیٰ اور بین الاقوامی تعلقات کے ماہر، خارجہ امور پر امریکی حکومت کے مشیر اور ایک معروف دانشور ہیں۔ وہ امریکا کی جان ہاپکنز یونیورسٹی کے اسکول آف ایڈوانسڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز کے سابق ڈین اور بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ہیں۔ سید مودودیؒ کے حوالے سے ان کی دو کتب بہت اہم ہیں۔

Mawdudi and the Making of Islamic Revivalism (Oxford University Press, 1996)
The Vanguard of the Islamic Revolution: The Jama`at-i Islami of Pakistan (University of California Press, 1994)

اول الذکر کتاب میں وہ سید مودودیؒ کو معاصر احیائی مفکرین میں سب سے بااثر قرار دیتے ہیں۔

"The most influential of contemporary revivalist thinkers"[28]-

رائے جیکسن، گلوسٹر شایر یونیورسٹی کے استاد اور اسلام کے بارے میں دو کتب کے مصنف بھی سید مودودی کے بارے میں اپنی کتاب میں کئی دیگر مفکرین کی طرح اس رائے سے متفق ہیں۔[29]

---

[26]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Taḥrīk-i Islāmī kī Akhlāqī Bunyādayn*, 9–10.
[27]. Wikipedia, "Political Islam," accessed June 12, 2025, https://en.wikipedia.org/wiki/Political_Islam.
[28]. Nasr, Seyyed Vali Reza, *Mawdudi and the Making of Islamic Revolution* (New York: Oxford University Press, 1996).
[29] . Jackson, Roy, *Mawlana Mawdudi and Political Islam: Authority and the Islamic State* (New York: Routledge, 2011).

اس حیثیت میں سید مودودیؒ ایک طرف غیر مسلح انقلابی واصلاحی تحاریک کے لیے مشعلِ راہ فراہم کرتے ہیں تو دوسری طرف مسلح تحاریک بھی انکارِ طاغوت اور مسئلہِ حاکمیت کے ان کے افکار سے رہ نمائی لیتی ہیں۔ اس تناظر میں کہ جب مغرب میں بالعموم سیاسی اسلام اور دہشت گردی ہم معنی کر دی گئی ہے سید مودودیؒ اور احیائے اسلام اور غلبہ دین کے تصورات رکھنے والے مفکرین کے ساتھ زیادتی یہ ہوئی ہے کہ انہیں زبردستی تشدد اور تکفیریت کا نقیب ٹھہرا دیا گیا ہے اور دنیا میں مبینہ مسلم انتہاپسندی کے ڈانڈے ان کی تعلیمات سے جوڑ دیے گئے ہیں۔

"Both Maududi and Qutb spoke of the possibility to practice takfir, that is, to exclude ("nominal") Muslims from the community of believers (often described as "excommunication"). [30]

سید مودودی مغربی جمہوریت کے بالمقابل جمہوری خلافت کا تصور پیش کرتے ہیں۔

"اس حقیقت میں صحیح بھی یہی ہے اور نتائج کے اعتبار سے انسان کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ خدا کو حاکم مان کر انسانی زندگی کا نظام حکومت خلافت و نیابت کے نظریہ پر بنایا جائے۔ یہ خلافت بلاشبہ جمہوری ہونی چاہیے، جمہور کی رائے ہی سے حکومت کے امیر یا ناظم اعلیٰ کا انتخاب ہونا چاہیے۔ انھی کی رائے سے اہلِ شوریٰ منتخب ہونے چاہئیں۔ ہماری پارلیمنٹ کا اساسی نظریہ یہ ہونا چاہیے کہ جن امور میں خدا نے ہمیں ہدایات دی ہیں ان میں ہم قانون سازی نہیں کریں گے بلکہ اپنی ضروریات کے لیے خدا کی ہدایات سے تفصیلی قوانین اخذ کریں گے۔ اور جن امور میں خدا نے ہدایات نہیں دی ہیں ان میں ہم یہ سمجھیں گے کہ خدا نے خود ہی ہم کو آزادیِ عمل بخشی ہے اس لیے صرف انھی امور میں ہم باہمی مشورے سے قوانین بنائیں گے۔ مگر یہ قوانین لازماً اس مجموعی سانچے کے مزاج سے مطابقت رکھنے والے ہوں جو خدا کی اصولی ہدایات نے ہمارے لیے بنا دیا ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ پورے نظام تمدن وسیاست کی کار فرمائی اور اس کا انتظام ان لوگوں کے سپرد ہو جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے اور ہر کام میں اس کی رضا چاہنے والے ہوں۔ جن کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں قسم کی زندگیوں سے یہ شہادت ملے کہ وہ بے لگام گھوڑے کی طرح نہیں ہیں جو ہر کھیت میں چرتا اور ہر حد کو پھاند تا پھرتا ہو بلکہ ایک الٰہی ضابطہ کی رسی سے بندھے ہوئے اور ایک خدا پرستی کے کھونٹے سے مربوط ہیں اوران کی ساری چلت پھرت اسی حد تک محدود ہے جہاں تک وہ رسی انہیں جانے دیتی ہے"۔ [31]

آپ مسلح جدوجہد کی مشکلات اور موانعات سے آگاہ تھے، سید احمد شہیدؒ کی بے مثال تحریکِ جہاد کی ناکامی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ مسلم قوم کی اخلاقی حالت بھی آپ کے سامنے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خفیہ اور مسلح تحریکات کے سخت خلاف تھے کہ ان کے نتائج عمومی طور پر کبھی بھی مثبت نہیں بر آمد ہوئے ہیں۔

> "اس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انھیں تحریکیں چلانے اور اسلحے کے ذریعے سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلدبازی ہی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلائیے، بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے۔ لوگوں کے خیالات بدلیے۔

---

[30].Encyclopedia.com, "Political Islam," accessed June 12, 2025, https://www.encyclopedia.com/religion/encyclopedias-almanacs-transcripts-and-maps/political-islam.

[31]. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, comp. Khalīl Aḥmad al-Ḥāmidī, *Taḥrīk aur Kārkun* (Lahore: Idāra Ma'ārif-i Islāmī, 2000), 28–29.

اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے اور اس کوشش میں جو خطرات اور مصائب بھی پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہو گا وہ ایسا پایدار اور مستحکم ہو گا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جاسکے گا"۔[32]

مولانا مودودی کی احیائی و انقلابی تحریروں میں "حکومتِ الٰہیہ" کی اصطلاح استعمال کی گئی، جس میں مونالا امین احسن اصلاحی نے خالص قرآنی اصطلاحات "اقامتِ دین" اور "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا اضافہ کیا۔ سید مودودی کی قائم کردہ جماعت اسلامی اپنے اصل ابتدائی نام کے ساتھ پاکستان، بنگلا دیش اور بھارت میں موجود اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے بر سرِ کار ہے۔ پورے عالم اسلام میں جماعتِ اسلامی کو ہی پاک و ہند کی اصل اسلامی تحریک کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ نیز غیر مسلم ممالک میں بھی جماعتِ اسلامی کو ہی ایک قابل لحاظ بنیاد پرست جماعت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی کامیابی کی منزل نظر نہیں آئی۔ اس کے اسباب میں داخلی اور خارجی عوامل شامل ہیں۔

بقول ڈاکٹر اسرار احمد افسوس کہ جماعتِ اسلامی اس بلند وبالا مقصد پر زیادہ دیر قائم نہیں رہی۔ اور سیاست کے سنگلاخ میدان میں پھنس کر اپنا موقف پست سے پست تر کرتی گئی۔ 1956-57ء میں جماعت کے اندر اس احساس نے زور پکڑا جس نے ایک بحران کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کے نتیجے میں ایک کثیر تعداد میں اکابرینِ جماعت نے جماعت سے خود کو الگ کر لیا۔ جن میں کچھ بقولِ ڈاکٹر اسرار اصاغر بھی تھے۔ ان اصاغر میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی شامل تھے۔[33]

احیائے اسلام کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد کی جدوجہد

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے پیشروں کی طرح اقامتِ دین کے حصول کے لئے انقلابی جدوجہد کے لئے تنظیمِ اسلامی قائم کی۔ اور بطورِ کنوینر کے کام کرتے رہے۔ اگست 1977ء میں تنظیمِ اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع میں ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیمِ اسلامی کی امارت سنبھال لی۔ اور اس کی اساس دستوری نظام جماعت کے برعکس بیعتِ سمع وطاعت پر قائم کی۔

تنظیمِ اسلامی کی فکر

ڈاکٹر اسرار احمد کا دینی فرائض کے بارے میں تصوّر یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی انفرادی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا رہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اللہ عز وجل کا دین قائم ہو جائے۔ غلبہ ءدینِ حق کے لئے مندرجہ ذیل اصطلاحات قرآن میں مذکور ہیں۔

تکبیر ربّ۔

تکبیر ربّ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو تسلیم کرانا۔ اور تشریعی احکام میں اس کے حکم کی تنفیذ کرنا۔ یہ اصطلاح سورۃ المدّثر میں وارد ہوئی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

تکبیرِ رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام قائم کیا جائے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیّتِ اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے۔

اقامتِ دین۔

اقامتِ دین کی اصطلاح سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر 13 میں آئی ہے: "دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو"۔

---

32. Maudūdī, Sayyid Abū al-A'lā, *Tafhīmāt, vol. 3* (Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 2000), 9–10.
33. Aḥmad, Isrār, *Dāktar Isrār Aḥmad aur Tanzīm-i Islāmī: Aik Ta'āruf*, 65–70.

دین اگر پہلے سے قائم ہے، تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے قائم رکھیں، اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہو تو پھر دین کو قائم کرنا اس کے ماننے والوں کی ذمّہ داری ہے۔ یکون الدّین کلہٗ للہ۔

یہ اصطلاح قرآنِ پاک کی مّکی سورتوں، سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں آئی ہے۔ کہ ساری زندگی کے معاملات دینِ اسلام کے مطابق ڈھل جائیں۔ یہ نہ ہو کہ بعض احکامات پر عمل ہو اور بعض پر نہ ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ دین اسلام کو اجزاء میں تقسیم کر دیا جائے، مساجد میں نمازیں بھی ادا کی جارہی ہوں، زکوٰۃ بھی بادل نہ خواستہ دے رہے ہوں لیکن ملک میں قائم نظامِ حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ مالی معاملات احکامِ دین کے دائرے سے باہر ہوں۔ ستر وحجاب کے احکامات پاوں تلے روندیں جائیں۔ اور مرد و زن کی مساوات اور شانہ بشانہ کے موقع فراہم کرنا ہمارا مقصد بن جائے، عورت کے تقدس کو سرِ بازار نیلام کیا جائے، اور اسے اشتہار و تشیر کا ذریعہ بنالیا جائے۔ تیسری قرآنی اصطلاح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دین کل کا کل اللہ عزوجل کے لئے ہو۔ عبادت وہی عبادت ہوگی جو پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

غلبہءدینِ حق۔

یہ اس سلسلے کی چہارم اصطلاح ہے۔ جو کہ سورہءالصّف میں وارد ہوئی ہے۔ "وہی ہے اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ غالب کر دے اس کو تمام جنس دین پر"۔

اس آیت کے الفاظ سورہ الفتح اور سورہ التوبہ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔[34]

مندرجہ بالا دینی فرائض کا تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے تین لوازم کو بطورِ تقاضا پیش کرتے ہیں۔

پہلا لازمہ جہاد۔

پہلا لازمہ جہاد مع النفس سے شروع ہو کر قتّال فی سبیل اللہ کی چوٹی تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو بالفعل غالب کرنے کے لئے اس مرحلے میں باطل کے علم برداروں کے ساتھ مسلح تصادم اور کشاکش ہوتا ہے۔ ہر باطل نظام کے رکھوالے اس نظام کے مراعات یافتہ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ زمامِ حکومت کو قابو کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو کبھی بھی گوارہ نہیں کرتے کہ اس رائج الوقت نظام کو اسلامی نظام سے بدل دیا جائے۔ یہی بات وجہ تصادم بنتی ہے۔ تو جان لیجئے کہ قتّال فی سبیل اللہ ہی جہاد کی چوٹی ہے۔ اور یہی اللہ عزوجل کی محبوبیّت کا مقام بھی ہے۔ جیسا کہ سورہ الصف میں وارد ہوا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو تو وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح صفیں باندھ کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں بھی جہاد و قتّال سے کنی کترانے پر وعید سنائی گئی ہے۔ بحوالہ مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی تمنّا پیدا ہوئی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا۔

دوسرا لازمہ التزامِ جماعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کی ادائیگی کے حوالے سے دوسرا تقاضا ایک اسلامی جماعت کا قیام اور اس کے ساتھ گہری وابستگی ہے۔ کیونکہ اقامتِ دین کا کام انفرادی سطح پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے التزام جماعت کا حکم دیا ہے۔

---

[34]. Aḥmad, Isrār, *Dāktar Isrār Aḥmad aur Tanzīm-i Islāmī: Aik Ta'āruf*, 215–220, 65–68.

بحولہ مسندِ احمد حارث الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانوں میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان باتوں کا حکم دیا ہے۔ التزامِ جماعت کا، سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔

تیسرا لازمہ۔ بیعت۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ دینی فرائض کے لوازم میں سے تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اس جماعت کا نظام بیعت پر قائم کیا جائے۔ اس نظام بیعت کی اصل قرآن وسنّت میں موجود ہے۔ اور سلف صالحین کے ہاں بھی بیعتِ ارشاد اور بیعتِ جہاد کے حولے بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ ماضی قریب میں برِصغیر پاک وہند میں جو تحریک سیّد احمد بریلوی شہیدؒ نے برپا کی تھی۔ جس کو تحریک، شہیدین بھی کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کی بنیاد بیعتِ جہاد پر ہوئی تھی، اس تحریک کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ برصغیر پاک وہند میں خالصتا اللہ تعالی کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد و قتّال کیا گیا۔ اور کتنے ہی مسلمان اس جہاد میں کام آئے۔ اور جامِ شہادت نوش کیا اور ربّ العزت کی بارگاہ میں سرخرو ہوئے ہوئے۔[35]

منہجِ انقلابِ نبوی ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق

ڈاکٹر اسرار احمد کے گیارہ خطباتِ جمعہ کو شیخ جمیل الرحمان نے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے، جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے منہج انقلابِ نبوی ﷺ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں فلسفہء انقلاب کے نقطہء نظر سے سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس سے پہلے سیرت النبی ﷺ کا اس نقطہء نظر سے مطالعہ نہیں کیا گیا اور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں ڈاکٹر اسرار احمد اور دوسرے مسلم مفکرین جو پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش میں ہیں چاہے انتخابی طریقہء کار سے یا عسکری جدوجہد سے ان کے فکر وفلسفہ اور طریقہء کار میں فرق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد منہجِ انقلابِ نبوی کے صفحہ نمبر5 میں کہتے ہیں کہ جو انقلاب رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا، وہ دنیا کے دوسرے انقلابات سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ کیونکہ ان انقلابات کے لئے انقلابی نظریہ، فکر وفلسفہ انسانی طبع زاد تھے۔ جیسا کہ اشتراکی انقلاب کا فلسفہ کارل مارکس کا تخلیق کردہ تھا۔ انقلابِ فرانس کا فلسفہ والٹیر، روسو اور دیگر سیاسی مفکرین کے ذہنوں کی پیداوار تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا نظریہ، فکر و فلسفہ اللہ تعالی کی طرف سے وحی کی صورت آپ ﷺ کو عطا کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف سے لوگوں کے سامنے نظریہ توحید پیش کیا۔ اس نظریہ کی بنیادیں قرآنِ پاک پر رکھی گئی۔ یہی نظریہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مرکز و محور ہے۔ اس انقلابی نظریہ کی عملی تعبیر انسان کی سیرت وکردار کی تربیت و تعمیر ہے۔ اس کے صحیح ادراک سے انسان کی اجتمائی زندگی میں تبدیلی وجود میں آتی ہے۔ انسانی حاکمیت کی بجائے اللہ تعالی کی حاکیتِ اعلیٰ کا اقرار، ملکیت کی بجائے امانت کا تصور اور معاشرے میں مکمل معاشرتی مساوات کا تصور، یہ نظریہ توحید کے ثمرات ہیں۔[36]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق انقلاب چاہے کسی بھی نوع کا ہو اس کو برپا کرنے کے لئے چھ مراحل طے کرنا لازمی ہیں۔ یہ بات سیرت النبی ﷺ کے معروضی مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں کہ اگر انقلاب کامیاب ہو جائے تو پھر ساتواں مرحلہ بھی وجود میں آجاتا ہے۔ چھ مراحل میں تو کسی بھی ملک میں انقلاب کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن ساتواں اس انقلاب کی توسیع و تصدیر پر مبنی ہوتا ہے۔ ایک نظریاتی انقلاب جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ انقلابی نظریہ کو پاسپورٹ اور ویزہ کی حاجت نہیں کہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرے۔ انقلابی نظریہ کے پر بہت مضبوط ہوتے ہیں، جن سے وہ اڑ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اب اگر اس نظریہ میں جان ہے تو دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں گاڑھ دے گا، جس کے نتیجے میں انقلاب کی توسیع ہوگی۔ انقلابِ فرانس، صرف اپنے ملکی حدود میں قید نہیں رہا۔ اور اشتراکی انقلاب بھی صرف روس تک محدود نہیں رہا۔ یہ

[35]. Aḥmad, Isrār, *Dāktar Isrār Aḥmad aur Tanzīm-i Islāmī: Aik Taʿāruf*, 221–230.
[36]. Aḥmad, Isrār, *Minhāj-i Inqilāb-i Nabawī* (Lahore: Maktaba Markazī Anjuman-i Khuddām al-Qur'ān, 1990), 5–12.

انقلاب کی خصوصیت ہے کہ پہلے کسی ایک علاقے میں آتا ہے پھر وہاں اس کے اثرت کا ظہور ہوتا ہے' پھر اس کی بین الاقوامی سطح پر توسیع عمل پذیر ہوتی ہے[37]

خلاصہ بحث

اس تحقیقی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برصغیر میں اسلامی سیاسی فکر کی تجدید اور احیاء ایک مربوط، مسلسل اور فکری وتحریکی عمل رہا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی فکر سے لے کر ڈاکٹر اسرار احمدؒ تک تمام مفکرین نے اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا اور امت مسلمہ کو مغربی فکری یلغار اور سیاسی زوال سے نکالنے کے لیے علمی، فکری اور عملی کاوشیں کیں۔ ان مفکرین کی فکری جہتیں اگرچہ مختلف تھیں، لیکن ان کا مقصد ایک ہی تھا: اقامتِ دین، خلافتِ راشدہ کی طرز پر اسلامی نظام کا احیاء، اور امت میں شعور و بیداری کی ترویج۔ یہ مطالعہ نہ صرف ایک فکری تسلسل کو اجاگر کرتا ہے بلکہ عصر حاضر کے مسلم معاشروں کو ایک راہِ عمل بھی فراہم کرتا ہے کہ اسلامی سیاسی فکر کیسے جدید دنیا میں مؤثر اور مربوط طریقے سے نافذ ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography / کتابیات

* ‘Abd, ‘Abdur Raḥmān. *Sayyid Abū al-A‘lā Maudūdī: Sawāniḥ, Afkār, Taḥrīk*. Lahore: Idāra Tarjumān al-Qur’ān (Private) Limited, 2011.
* Aḥmad, Isrār. *Bar‘i ‘Azīm Pāk wa Hind main Islām kay Fikr kī Tajdīd wa Ta‘mīl aur is say Inḥirāf kī Rāhein*. Lahore: Maktaba Khuddām al-Qur’ān, 1994.
* Aḥmad, Isrār. *Dāktar Isrār Aḥmad aur Tanzīm-i Islāmī: Aik Ta‘āruf*. Karachi: Shū‘ba-i Maṭbū‘āt, Anjuman-i Khuddām al-Qur’ān Sindh, 2012.
* Aḥmad, Isrār. *Islām aur Pākistān: Tārīkhī, Siyāsī, ‘Ilmī aur Thaqāfatī Pasmanzar*. Lahore: Tanzīm-i Islāmī Markazī Daftar, 1989.
* Aḥmad, Isrār. *Khilāfat kī Ḥaqīqat aur ‘Aṣr-i Ḥāzir main is kā Nizām*. Lahore: Maktaba Khuddām al-Qur’ān, 2000 CE.
* Aḥmad, Isrār. *Minhāj-i Inqilāb-i Nabawī*. Lahore: Maktaba Markazī Anjuman-i Khuddām al-Qur’ān, 1990.
* Anonymous. “Political Islam.” *Encyclopedia.com*. Accessed June 12, 2025. https://www.encyclopedia.com/religion/encyclopedias-almanacs-transcripts-and-maps/political-islam.
* Anonymous. “Political Islam.” *Wikipedia*. Accessed June 12, 2025. https://en.wikipedia.org/wiki/Political_Islam.
* Anonymous. *Shakhṣiyyāt*. Lahore: Al-Badr Publications, 2000 CE.
* Farīd, ‘Ārifa. *Liberalism and Islam*. Karachi: BCC & TP Press University, 2016.
* Ghāzī, ‘Irfān. *Jamā‘at-i Islāmī: Aik Almanak Dāstān*. Lahore: Sāgar Publications, 2016.
* Jamīla, Maryam. *Islām: Aik Naẓariyya, Aik Taḥrīk*. Lahore: A‘lā Publications, 2006.
* Maudūdī, Sayyid Abū al-A‘lā. *Islāmī Ḥukūmat Kis Ṭaraḥ Qā’im Hotī Hai?*. Lahore: Islamic Publications Limited, 1980.
* Maudūdī, Sayyid Abū al-A‘lā. *Jamā‘at-i Islāmī kay 29 Sāl*. Lahore: Shu‘ba-i Nashr wa Ishā‘at Jamā‘at-i Islāmī Pākistān, 1997.
* Maudūdī, Sayyid Abū al-A‘lā. *Qur’ān kī Chār Bunyādī Iṣṭilāḥayn*. Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 2000.

[37]. Aḥmad, Isrār, *Khilāfat kī Ḥaqīqat aur ‘Aṣr-i Ḥāzir main is kā Nizām* (Lahore: Maktaba Khuddām al-Qur’ān, n.d.), 182.

- Maudūdī, Sayyid Abū al-Aʻlā. *Taḥrīk-i Āzādī-i Hind aur Musalmān (Ḥiṣṣa Awwal)*. Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 1999.
- Maudūdī, Sayyid Abū al-Aʻlā. *Taḥrīk-i Islāmī kī Akhlāqī Bunyādayn*. Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 1999.
- Maudūdī, Sayyid Abū al-Aʻlā, comp. Khalīl Aḥmad al-Ḥāmidī. *Taḥrīk aur Kārkun*. Lahore: Idāra Maʻārif-i Islāmī, 2000.
- Maudūdī, Sayyid Abū al-Aʻlā. *Tafhīmāt*. Vol. 3. Lahore: Islamic Publications (Private) Limited, 2000.
- Nadwī, Sayyid Abū al-Ḥasan ʻAlī Ḥasanī. *Tārīkh-i Daʻwat wa ʻAzīmat*. Lucknow: Majlis Taḥqīqāt wa Nashriyāt-i Islām, 2006.
- Nasr, Seyyed Vali Reza. *Islāmī Inqilāb kā Harāwal Dasta: Jamāʻat-i Islāmī Pākistān*. Translated by Zāhid Ḥusayn Ṣiddīqī. Karachi: Urdu Academy Sindh, 2000.
- Nasr, Seyyed Vali Reza. *Mawdudi and the Making of Islamic Revolution*. New York: Oxford University Press, 1996.
- Jackson, Roy. *Mawlana Mawdudi and Political Islam: Authority and the Islamic State*. New York: Routledge, 2011.
- Sheikh, Muḥammad Ikrām. *Āb-i Kausar*. Lahore: Idāra Thaqāfat-i Islāmiyya, 2017.